باب ہفتم

اسلامی تہذیب وتمدّن (تعارف واہمیت)

تدریسی مقاصد

اس سبق کے پڑھنے کے بعد طلبہ/طالبات اس قابل ہو جائیں گے کہ:
وہ تاریخی تناظر میں اسلامی تہذیب وتمدن کے ارتقاء کو جان سکیں تاکہ عصر حاضر میں امت مسلمہ کے سیاسی، معاشرتی اور معاشی مسائل کے حل کی تحریک پا سکیں۔

تہذیب وتمدّن کا مفہوم ومعنی:

تہذیب کے لفظی معنی کانٹ چھانٹ اور اصلاح کے ہیں۔ رفتہ رفتہ اس کے معنوں میں وسعت پیدا ہوتی گئی۔ چنانچہ اب یہ لفظ طرزِ زندگی اور طریقِ معاشرت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

ہر قوم ایک مخصوص طرزِ زندگی اور جداگانہ عادات واطوار کی مالک ہوتی ہے جو اسے دوسری اقوام سے ممتاز کرتی ہے، اسی ظاہری شکل وصورت کو تہذیب کہا جاتا ہے۔ گویا کہ ایک قوم کے وہ خدوخال جو اسے دوسری قوموں سے ممتاز کریں، اس کی تہذیب کہلاتی ہے۔

اسلام میں دین تہذیب کا سرچشمہ ہے۔ اس لیے اپنے تمام جذبات، افعال، طرزِ رہائش، عادات واطوار، طریقِ زندگی اور معیشت ومعاشرت کو دین کے تابع بنانے کا نام اسلامی تہذیب ہے۔ پس اسلامی تہذیب سے مراد وہ تہذیب ہے جو اسلام کے بنیادی نظریات اور اسلامی عقائد کی پیداوار ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنے انقلابی ارشادات اور حکیمانہ تعلیمات کے ذریعے جو ذہنی وعملی انقلاب پیدا کیا، اس کا نام اسلامی تہذیب ہے۔ اس تہذیب کے درخشاں پہلو تاریخِ اسلام میں ملتے ہیں اور بعض اوقات وہ اپنی پوری شان سے جلوہ گر نظر آتی ہے مثلاً عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ والہ وسلم اور خلافتِ راشدہ۔

اسلامی تہذیب کی خصوصیات:

ا۔ توحید:

اسلامی تہذیب کی بنیاد نظریہ توحید پر استوار کی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہی اور حکومت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ صرف اسی کی عبادت کرنی چاہیئے۔ اسی کے احکام کی اطاعت ضروری ہے۔ اسلامی تہذیب میں شرک اور بت پرستی کی کوئی گنجائش نہیں۔

۲۔ اخلاقی تہذیب:

اسلامی تہذیب میں اخلاقی تزکیہ نفس اور کردار کی پاکیزگی کو اولین اہمیت حاصل ہے۔ گویا اس تہذیب کا مزاج مذہبی بھی ہے اور اخلاقی بھی۔ اسلامی تہذیب کے معلم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے آغاز دعوت ہی سے اخلاق وکردار کو سنوارنے پر زور دیا جس کا ایک تاریخی ثبوت یہ ہے کہ ابھی آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم مکہ ہی میں تھے کہ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بھائی کو اس نئے پیغمبر کے حالات وتعلیمات کی تحقیق کے لیے مکہ بھیجا۔ انہوں نے اطلاع دی کہ

"میں نے اس کو دیکھا کہ لوگوں کو اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دیتا ہے"۔ (السیرۃ النبویہ لابن کثیر۔ ص:447/1)

آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسلامی معاشرے میں جو اخلاقی انقلاب برپا کیا اس کی مثال اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی۔

۳۔ سادگی:

اسلامی تہذیب کی ایک امتیازی خصوصیت عیش وعشرت سے بیزاری ہے۔ اسی لیے اسلام نے روزمرہ کی زندگی میں سادگی کو سرفہرست رکھا۔ اسے ایمان کی علامت بتایا اور تاکید کی کہ سادہ کھاؤ، سادہ پہنو، تکلف، فضول خرچی اور عیاشی کا طریقہ اختیار نہ کرو۔ آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دولت کی فراوانی کو امت کے اسبابِ زوال میں شمار کیا ہے۔ اسلامی معاشرے سے رشوت کو ختم کرنے کے لیے سادگی ایک درست حل ہے۔

۴۔ دین ودنیا کی وحدت:

اس تہذیب نے دین ودنیا کی اس مصنوعی علیحدگی کو ختم کر دیا جو مختلف تہذیبوں میں رائج ہے۔ اپنی دنیاوی بہتری سے غفلت برتنا اور یہ سمجھنا کہ انسان اپنی آخرت سنوار رہا ہے غلط ہے۔ یہ تہذیب سکھاتی ہے کہ دنیاوی واُخروی زندگی دونوں کی اصلاح ضروری ہے اور ان میں سے کسی کو بھی ترک نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تہذیب انسان کی دنیاوی فلاح کی اتنی ہی ضامن ہے، جتنی اخروی فلاح کی۔ اس لیے مسلمان کو جو دعا سکھائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ اے اللہ تعالیٰ! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بہترین بھلائی دے۔ (سورۃ البقرہ:201)

۵۔جامعیت:

اسلامی تہذیب کی ایک نمایاں خصوصیت جامعیت ہے۔یہ زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہے اور دینِ اسلام کے تمام تقاضوں کو پورا کرتی ہے۔حیاتِ انسانی کا کوئی گوشہ خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، معاشی ہو یا سیاسی، اسلام کی ہدایات سے محروم نہیں رہا۔اس تہذیب کا اپنے علمبرداروں سے مطالبہ ہے۔"اے اہلِ ایمان! اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ"۔(البقرہ آیت:208) اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک مسلمان اپنے کُل معاملات میں خدا کی پیروی کرنے والا ہے۔اس کی خلاف ورزی کو شیطان کی پیروی قرار دیا گیا ہے۔

٦۔اخوت ومساوات:

اسلامی تہذیب کی ایک اہم خصوصیت اخوت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سب مومن بھائی بھائی ہیں۔حدیث شریف میں آیا ہے کہ سب مومن ایک جسم کی مانند ہیں جس طرح جسم کا کوئی عضو تکلیف میں مبتلا ہو تو سارا جسم بے قرار ہو جاتا ہے اسی طرح ایک مومن کی تکلیف دوسرے کو بے چین کر دیتی ہے۔(صحیح بخاری6011۔مسلم6751)

اسی طرح اسلامی تہذیب کی ایک بڑی خصوصیت مساوات ہے۔یہ مساوات حقوق وفرائض کی مساوات ہے۔ہر وہ شخص جو توحید و رسالت اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اس تہذیب کا رکن ہے، کالے اور گورے کی کوئی تمیز نہیں۔رنگ، نسل اور وطن کا کوئی امتیاز نہیں۔اگر کوئی وجہ امتیاز ہے تو وہ صرف پرہیز گاری ہے۔قرآن مجید کہتا ہے:"تم میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہو"۔(الحجرات: آیت13)

۷۔روادار تہذیب:

اس تہذیب کا ایک امتیاز اس کی حیرت انگیز مذہبی رواداری ہے۔جو کسی ایسی تہذیب میں نہیں پائی گئی جو دینی بنیادوں پر قائم ہو۔تہذیب اسلامی نے تاریخ اسلام میں سب سے زیادہ مذہبی رواداری اور اخلاقی بردباری کا نمونہ پیش کیا۔قرآن مجید میں واشگاف الفاظ میں یہ اعلان کیا گیا ہے کہ"مذہب میں کوئی جبر نہیں"۔(البقرہ آیت256)

۸۔امر بالمعروف ونہی عن المنکر:

اس تہذیب میں ایک خوبی ایسی ہے جس کا مقابلہ کوئی دوسری تہذیب نہیں کر سکتی کہ یہ تہذیب ایک ایسے ماحول کو جنم دیتی ہے جو نیکی کے لیے بڑا سازگار اور برائیوں کے لیے موت کا پیغام ہے۔اس میں نیکیاں پھلتی پھولتی ہیں اور برائیاں دب جاتی ہیں۔نیکی کی تلقین اور برائیوں سے روکنے کے لیے اس امت کو وجود میں لایا گیا۔اس فریضے کی تکمیل کی بنا پر یہ ملت"خیر الامت" کے عظیم لقب سے نوازی گئی۔پس یہ تہذیب ہر لحاظ سے فیض رساں، پرامن اور سکون بخش ہے۔

اسلامی تہذیب وتمدن کا فروغ

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں اسلامی تہذیب وتمدّن کا فروغ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کے پہلے خلیفہ تھے۔آپ رضی اللہ عنہ کا دورِ حکومت جون632 عیسوی تا اگست634 عیسوی بمطابق ربیع الاول 11 ہجری تا جمادی الثانی13 ہجری تھا۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب مسلمانوں کے پہلے خلیفہ بنے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فوراً متعدد مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔اسلامی ریاست جو نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے قائم کی تھی، سخت حالات کا شکار ہو گئی۔ہر طرف بغاوتوں اور فتنوں کا زور وشور تھا۔مگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی ثابت قدمی کے باعث ایک مرتبہ پھر تمام عرب ممالک کو اسلام کے جھنڈے تلے جمع کیا اور اسلامی تہذیب وتمدّن کو فروغ دیا۔ان حالات کے پیشِ نظر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اسلامی ریاست کا دوسرا بانی قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کے اہم اقدامات:

- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغاوتوں کو ختم کر کے از سرِ نو اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی۔
- آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکومت کا نظام مشورے پر رکھا۔ہر اہم معاملے میں آپ صحابہ کرام سے مشورہ کیا کرتے تھے۔
- آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ملک کا نظام چلانے کے لیے ملک کو دس حصوں میں تقسیم کیا اور ہر حصے کا ایک حاکم مقرر کیا۔
- آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال تعمیر کرایا لیکن خزانے میں دولت جمع نہیں کی۔
- فوجی نظام کو باقاعدہ بنانے کے لیے فوج کو مختلف حصوں میں تقسیم کر کے ہر دستے کا سپہ سالار مقرر فرمایا اور ان تمام سپہ سالاروں پر ایک سپہ سالارِ اعلیٰ مقرر کیا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں:

حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسرے خلیفہ راشد تھے۔آپؓ کا دورِ حکومت اگست634 عیسوی تا نومبر644 عیسوی بمطابق جمادی الثانی 13 ہجری تا محرم الحرام24 ہجری تھا۔اسلام میں خلافت یا حکومت کی بنیاد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں پڑی لیکن نظامِ حکومت کا دور حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد سے شروع ہوا۔حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دورِ حکومت مختصر بھی تھا اور اس میں انہیں کئی قسم کے فتنوں سے نمٹنا پڑا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں ایک طرف حکومت کو وسعت دی اور دوسری طرف مکمل نظامِ حکومت کی تشکیل کر کے اس کے مختلف اداروں کو مضبوط اور مستحکم کر دیا۔ اسلامی تہذیب و تمدن کے اعتبار سے یہ دور مثالی تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کے اہم اقدامات:

- ★ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نظامِ حکومت شخصی حکومت کے بجائے جمہوریت کے زیادہ قریب تھا۔
- ★ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پورے ملک کو صوبوں اور اضلاع میں تقسیم کر کے ہر علاقے کے آفیسر مقرر کیے۔
- ★ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرکاری ملازمین کے احتساب میں کوئی رعایت نہیں برتتے تھے۔ ان کے خلاف شکایات سنی جاتیں تھیں اور فوراً دادرسی کی جاتی تھی۔
- ★ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیت المال قائم کیا، اس کا دفتر بنایا، عملہ رکھا اور لوگوں کے وظائف مقرر کیے۔
- ★ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جاگیرداری نظام کو ختم کر کے بے زمین کاشتکاروں کو زمینیں دیں۔
- ★ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہر شخص کو بنیادی ضروریات کی فراہمی کا اہتمام کیا۔
- ★ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عدلیہ کو انتظامیہ سے الگ کر دیا اور عدلیہ کو فوری عدل و انصاف فراہم کرنے کا حکم دیا۔
- ★ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امن وامان قائم کرنے کے لیے پولیس کے محکمے کی بنیاد رکھی۔
- ★ رفاہِ عامہ کے لیے نہریں کھدوائیں، سڑکیں بنوائیں، پل تعمیر کروائے، مہمان خانے اور سرائیں بنوائیں۔
- ★ تعلیم لازمی قرار دی اور پورے ملک میں مکاتب و مدارس کا جال بچھایا۔
- ★ باقاعدہ تنخواہ دار فوج رکھی اور فوجی تربیت کے لیے اکیڈمی قائم کی۔
- ★ باقاعدہ سیکرٹریٹ قائم کیا جس میں تمام امورِ مملکت کا ریکارڈ رکھا جاتا تھا۔
- ★ غلاموں اور ذمیوں کے حقوق کے تحفظ کا انتظام کیا۔
- ★ آزاد خارجہ پالیسی کے خطوط متعین کیے۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں:

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی بعثت کے آغاز میں ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

ترغیب سے اسلام لے آئے تھے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا یکے بعد دیگرے نکاح آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے ان کا لقب ”ذوالنورین“ ہے۔ اہلِ مکہ کی اذیتوں سے تنگ آ کر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حبشہ کی جانب ہجرت کی مگر کچھ مدت کے بعد مکہ میں یہ افواہ پھیلی کہ سب مکہ والے مسلمان ہو گئے ہیں تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ واپس آ گئے، بعد میں جب ہجرت کا حکم ہوا تو ہجرت کر کے مدینہ چلے گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ چنا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت نومبر 644 عیسوی تا جولائی 656 عیسوی بمطابق محرم الحرام 24 ہجری تا محرم الحرام 36 ہجری تھا۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کے اہم اقدامات:

- ★ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رومیوں سے مقابلہ کے لیے بحری بیڑہ تیار کرایا۔
- ★ آپ رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی اور مسجد الحرام میں تعمیر و توسیع کی۔
- ★ زراعت کو ترقی دینے کے لیے آپ نے بہت سی نہریں کھدوائیں۔
- ★ آپ رضی اللہ عنہ نے فوجی طاقت میں اضافہ کیا اور فوجیوں کو مختلف سہولیات فراہم کیں۔
- ★ آپ رضی اللہ عنہ نے بہت سے علاقے فتح کیے۔ ان فتوحات کی وجہ سے اسلامی حکومت ہندوستان کی سرحد سے لے کر شمالی افریقہ کے ساحل اور یورپ کی شرقی سرحدوں تک وسیع ہو گئی۔
- ★ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں دور دراز سے آنے والے تاجروں کے لیے مہمان خانے تعمیر کروائے۔
- ★ جدہ میں آپ رضی اللہ عنہ نے بندرگاہ تعمیر کروائی۔
- ★ آپ رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کے مختلف نسخوں کو اکٹھا کر کے انہیں ایک ترتیب دی اور اس نسخے کی نقول کو تمام علاقوں میں بھجوایا گیا۔ قرآن مجید کی وہ ترتیب آج بھی قائم ہے اور مصحفِ عثمانی کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں:

آپ رضی اللہ عنہ کا نام علی، کنیت ابوالحسن اور ابوتراب، اور لقب حیدر تھا۔ آپ مسلمانوں کے چوتھے خلیفہ راشد تھے۔ آپ کا دورِ خلافت 656 تا 661 عیسوی بمطابق محرم الحرام 36 ہجری تا ربیع الاول 41 ہجری تھا۔ ایمان لانے کے وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عمر دس سال تھی۔

CS CamScanner

ملوکیت کے اثرات ونتائج:

دین وسیاست میں علمی تفریق ہوگئی۔حکمران علم اور دین میں کوئی خاص مقام نہیں رکھتے تھے۔اس لیے علماء اور اہل دین کی ضرورت ان کو پڑتی رہتی تھی۔جب بھی انہوں نے علماء اور اہل دین سے مشورہ لیا اور جب چاہا تو انہوں نے ان کی بات قبول کی اور جب چاہا ان کے مشورے پر عمل نہیں کیا۔اس لیے اہل دین اور اہل علم یا تو سیاسی زندگی سے کنارہ کش ہوگئے یا وقتاً فوقتاً ان کے خلاف خروج کرتے تھے اور بعض اصلاح وتربیت کے کام میں مشغول ہوگئے۔

ارکان حکومت یہاں تک کہ خود خلفاء دین واخلاق کا کامل نمونہ نہ تھے۔بلکہ ان میں بعض اشخاص میں جاہلی جراثیم اور میلانات پائے جاتے تھے۔عیش وعشرت کی زندگی عام ہوگئی۔تفریحات اور لہو ولعب کا بازار گرم ہوگیا۔دنیا کی زندگی اور اس کی لذتوں کی ہوس بڑھ گئی۔

فلسفیانہ موشگافیاں:

اس دور انحطاط میں مسلمان علماء اور مفکرین نے جس قدر علوم مابعد الطبیعیات اور یونانیوں کی الٰہیات کی طرف توجہ کی اور اپنی بہترین قابلیت وذہانت اس لاحاصل مشغلہ میں صرف کی اس انہماک نے ان کو علوم اور تجربوں کی طرف توجہ کرنے کا موقع نہ دیا کہ کائنات کی طبعی قوتوں کو مسخر کرتے اور پھر ان کو اسلام کے مقاصد کا نوکر بنا کر اسلام کے مادی اور روحانی تسلط کو تمام عالم پر قائم کردیتے۔

شرک وبدعات:

اس دور انحطاط میں مسلمانوں میں شرک وجہالت کے عقائد وخیالات اور دینی گمراہی پیدا ہونا شروع ہوئی اور مسلمانوں میں ایسی بدعات نے جنم لیا جنہوں نے مذہبی زندگی کی ایک بڑی جگہ کو گھیر لیا اور مسلمانوں کو صحیح دین سے محروم کرلیا اور دین میں انسانی عقل نے دخل اندازی شروع کردی اور لوگ خودساختہ اعمال ورسومات پر عمل کرنے لگے اور دنیا وآخرت کی سعادت سے محروم ہوگئے۔

یہاں تک کہ ساتویں صدی ہجری کے وسط میں ان کا سیاسی انتشار،اخلاقی کمزوری اور ضعف پورے طور پر نمایاں ہوگیا اور اسلامی طاقت کا وہ مہیب سایہ جو دور سے نظر آتا تھا،اوجھل ہوگیا اور وحشی قوموں اور حریف طاقتوں نے مسلمانوں کو نرغہ میں لیا اور اسلامی ممالک ایک لاوارث مال کی طرح فاتحین میں تقسیم ہونے لگے۔

★حکومتی سرپرستی کا فقدان:

علوم وفنون سلاطین وامراء کی سرپرستی میں پھیلتے ہیں۔ابتدائی دور میں عباسی اور اموی خلفاء علوم وفنون میں بہت دلچسپی رکھتے تھے۔انہوں نے سائنسی علوم کی ترویج وترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور ان علوم پر دولت کے دریا بہادیے،جس کے نتیجے میں بے شمار سائنسدان پیدا ہوئے۔لیکن جب خلفاء اور سلاطین عیش وعشرت کی جانب مائل ہوگئے تو درباروں میں علماء وفضلاء کی جگہ مسخرے اور ناچنے گانے والے جمع ہوگئے۔سلاطین وامراء نے علماء وفضلاء کی سرپرستی سے ہاتھ اٹھالیا تو سائنسی علوم کو زوال آنے لگا۔

★حکومتوں کا نفاق اور زوال:

جب تک مسلمان آپس میں امن واتحاد سے رہتے رہے،علوم وفنون بھی ترقی کرتے رہے،مگر جب مسلمانوں میں نفاق پیدا ہوگیا تو ایک متحدہ اسلامی ریاست کئی حصوں میں بٹ گئی اور کئی خودمختار ریاستیں قائم ہوگئیں۔ان ریاستوں کے حکمرانوں نے علوم وفنون کی طرف کوئی خاص توجہ نہ دی اور سائنسی علوم کو زوال آنے لگا۔

★علمی ذخیرہ میں کمی:

مسلمانوں نے بیش بہا علمی ذخیرہ جمع کیا تھا،جس میں سائنسی علوم پر صدہا کتابیں لکھی گئیں تھیں،وہ سب سقوطِ بغداد کی وجہ سے ضائع ہوگئیں۔یوں متقدمین کی سائنسی تحقیقات پر پانی پھر گیا اور آنے والی نسلوں کو سائنسی میدان میں آگے بڑھنے کے لیے تحقیقی مواد ناپید ہوگیا۔اب یہی علاج رہ گیا تھا کہ اس میدان میں از سرِنو تحقیقات اور تجربات کیے جائیں۔یہ کام مالی سرپرستی کے بغیر ناممکن تھا،اس لیے نئی نسلوں نے اس طرف بہت کم توجہ دی۔

★رقص وموسیقی کی طرف توجہ:

ہر دور میں جیسے جیسے حکومتوں کا رخ بدلتا رہتا ہے،لوگوں کے رجحانات بھی بدلتے رہتے ہیں۔ابتداء میں حکومتوں کا رخ جدید علوم وفنون یعنی فلسفہ،ہیئت،طب،فلکیات وغیرہ کی طرف زیادہ تھا،چنانچہ سائنسی علوم نے ترقی کی اور بے شمار سائنسدان پیدا ہوئے۔زمانہ بدلنے کے ساتھ ساتھ سلاطین وامراء کا رجحان عیش پرستی کی طرف ہوتا چلا گیا تو لوگوں کا رخ بھی سائنسی علوم کی بجائے رقص وموسیقی کی طرف ہوگیا۔آنے والی نسلوں نے سائنسی علوم کو بے کار سمجھا۔حکومتیں بدل گئیں،تو اخلاقی اقدار کے ساتھ علمی اقدار بھی بدل گئیں،چنانچہ مسلمانوں میں سائنسدان بھی ناپید ہوگئے۔

ہوگیا۔ان کی وفات 1048 عیسوی میں ہوئی۔

البیرونی نے بہت سی کتابیں لکھیں جن میں سے چند ایک کے نام درج ذیل ہیں۔

- ★ کتاب العمل بالاصطرلاب
- ★ کتاب تسطیح الکرہ
- ★ کتاب الہند
- ★ قانونِ مسعودی
- ★ آثار الباقیہ
- ★ کتاب الجماہیر فی الجواہر

سائنس کے میدان میں تحقیق کے سلسلے میں البیرونی کے چند کارنامے درج ذیل ہیں۔

- ★ البیرونی نے قیمتی پتھروں اور موتیوں کی کثافت معلوم کی۔
- ★ البیرونی نے ثابت کیا کہ زمین کا محیط 24779 میل ہے۔جدید ترین تحقیقات کے مطابق زمین کا محیط 24858 میل کیا گیا۔اس طرح البیرونی کے بیان اور جدید تحقیق میں صرف 79 میل کا فرق ہے۔
- ★ البیرونی نے پتھروں اور موتیوں کے علاوہ مختلف دھاتوں کی کثافتِ اضافی کی صحیح پیمائش کی اور اسے ریکارڈ کیا۔اس سلسلے میں اس کی کتاب "کتاب الجماہیر فی الجواہر" ہے۔

عصرِ حاضر میں سائنس میں مسلمانوں کی پسماندگی کے اسباب

مسلمانوں میں سائنسی تحقیق کے زوال کے اسباب درج ذیل ہیں۔

اغیار کی محکومی:

آج سے دوسو سال قبل تک مسلمان سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کر رہے تھے۔اس مرحلے پر مختلف وجوہات کی بناء پر مسلمان یورپی اقوام کے غلام بن گئے۔دوصدیوں کے اس طویل دورِ غلامی میں مسلمان سائنس دان اور ماہرین حکومت کی سرپرستی اور وسائل سے محروم ہوگئے۔یہ مسلمانوں کے سائنس میں پیچھے رہ جانے کا اہم سبب ہے۔

تحقیق کی کمی:

اگرچہ مسلمان ممالک اب آزاد ہو چکے ہیں لیکن سیاسی غلامی کے ختم ہوجانے کے باوجود ذہنی غلامی اب بھی موجود ہے۔ ایک آزاد مسلم سماج کے لیے ضروری تھا کہ وہ سارے علوم بشمول سائنس کو اپنے نظریہ زندگی، طرز فکر اور روایات واقدار کے مطابق نئے سرے سے مرتب کرنا، اپنی زبان اور اصطلاحات استعمال کرنا، دوسری تہذیبوں سے سیکھنے میں نقالی کی بجائے تنقید سے کام لیتے ہوئے استفادہ کرنا اور تحقیق وتفتیش کے نئے مناہج کی بنیاد رکھنا، جو اس کے نظریہ کائنات کے مطابق ہوتے۔اگر یہ سارے کام کر لیے جاتے تو سائنس ورثہ اسلامی علمی روایت کا جز بن جاتا اور سائنس میں ریسرچ مسلمان سماج کے تحقیقی کام کا حصہ بن جاتی۔اب سائنس ایک اجنبی نظریہ کے جز کی حیثیت سے مسلمانوں کے سامنے آتی ہے۔چنانچہ وہ ان کی نفسیات کا جز نہیں بنتی اس لیے وہ اسے سیکھ سکتے ہیں نہ اس کو ترقی دے سکتے ہیں۔

معیار کتاب وسنت ہو:

سائنس میں ترقی کے لیے آزاد ذہن اور تخلیقیت بہرحال ناگزیر ہے۔مسلمانوں میں آزادی فکر، تخلیقیت اور فعالیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ کتاب وسنت کو معیار حق تسلیم کریں اور باقی تمام انسانی افکار، اقوال اور آراء کو اس معیار پر پرکھنے کے عملاً قائل ہوں۔

جہاد اور اجتہاد کا فقدان:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاَعِدُّو لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (سورة الانفال . ٦٠)

ترجمہ: مسلمانو! جہاں تک تمہارے بس میں ہے قوت پیدا کرکے اور گھوڑے تیار رکھ کر دشمنوں کے مقابلے کے لیے تیار اپنا سازو سامان مہیا کیے رہو کہ اس طرح مستعد رہ کہ تم اللہ کے اور اپنے دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھو گے۔

لیکن بدقسمتی سے خلفائے راشدین کے بعد دنیا کی رہنمائی کے منصب پر وہ لوگ حاوی ہوگئے جنہوں نے اس کے لیے کوئی حقیقی تیاری نہیں کی تھی۔خلفائے راشدین کی طرح اور خود اپنے زمانے کے بہت سے مسلمانوں کی طرح انہوں نے اعلیٰ دینی اور اخلاقی تربیت نہیں پائی تھی۔ان کا دینی، روحانی اور اخلاقی معیار اتنا بلند نہ تھا جو ملت اسلامیہ کے رہنماؤں کے شایانِ شان ہو۔ان میں نہ روح جہاد تھی اور نہ قوت اجتہاد جو دنیا کی قیادت کے لیے ضروری ہے۔

CamScanner

مشہور مسلمان سائنسدان

۱۔ جابر بن حیان:

جابر بن حیان کا تعلق جنوبی عرب کے قبیلہ ازد سے تھا، اس قبیلہ کے لوگ کوفہ میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ جابر بن حیان 721 عیسوی کو پیدا ہوئے۔ جابر بن حیان کا باپ کوفہ کا مشہور دوا ساز تھا۔ جابر کے بچپن میں ہی اس کا انتقال ہو گیا۔

جابر بن حیان نے اپنی ابتدائی تعلیم کوفہ سے حاصل کی۔ اس نے دینی علوم کے ساتھ ساتھ ریاضی اور دوسرے علوم کا مطالعہ بھی کیا۔ کوفہ میں ہی اس نے ایک تجربہ گاہ قائم کی، جس میں وہ دن رات سائنسی علوم کی تحقیق میں مگن رہتا۔ ان کی وفات 815 عیسوی میں ہوئی۔

جابر بن حیان نے بہت سی کتابیں لکھیں جن کی تعداد سو سے زیادہ ہے ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

★ کتاب الرحم ★ کتاب الزئبق المشرقی

★ کتاب الملک ★ کتاب الموازین الصغیر

جابر بن حیان کے نزدیک تجربات کو نہایت اہمیت حاصل تھی اسی لیے اسے "تجرباتی کیمیاء" کا بانی بھی کہا جاتا ہے۔ جابر بن حیان نے بہت سی کیمیائی چیزیں ایجاد کیں۔ جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

★ قلمی شورے کا تیزاب ★ گندھک کا تیزاب

★ سلور نائٹریٹ ★ مینگنیز ڈائی آکسائیڈ

★ وارنش (لوہے کو زنگ سے بچانے کے لیے) ★ قرع وانبیق (آلاتِ کیمیاء)

★ آبِ سلطانی (پانی جو سونے کو حل کر سکتا ہے)

جابر بن حیان نے اپنی کتابوں میں فولاد بنانے، موم جامہ بنانے، کپڑا رنگنے اور بالوں کو سیاہ کرنے کے لیے خضاب تیار کرنے کے طریقے بھی بیان کیے ہیں۔

۲۔ ابن الہیثم

ابن الہیثم کا پورا نام ابو علی حسن بن حسین ابن الہیثم تھا۔ وہ 965 عیسوی میں بصرہ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے دینی تعلیم کے علاوہ ریاضی، طب، طبیعیات اور دیگر علوم میں مہارت تامہ حاصل کی۔ ملازمت ترک کرنے کے بعد ابن الہیثم کا سارا وقت سائنسی

تحقیق و تجربات اور تصنیف و تالیف میں گزرنے لگا۔ ان کی وفات 1040 عیسوی میں ہوئی۔ ابن الہیثم نے تقریباً دو سو کتب لکھیں جن میں سے زیادہ تر ریاضی، طبیعیات اور طب کے موضوع پر ہیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

ریاضی: کتاب الجامع فی اصول الحساب، کتاب فی حساب المعاملات، علم المناظرہ اور مقالہ فی حساب الہندی وغیرہ۔

طبیعیات: مقالہ فی طبیعی الالم واللذۃ، مقالہ فی ہیئۃ العالم، مقالہ فی المبادی والموجودات اور تلخیص المسائل وغیرہ۔

طب: کتاب فی البرہان، کتاب فی فرق الطب، کتاب فی منافع الاعضاء اور کتاب فی اصناف حُمیات وغیرہ۔

ابن الہیثم نے آنکھ اور روشنی کو موضوع تحقیق بنایا اور تحقیق سے پرانے نظریات کو باطل قرار دیا

★ اس نے ثابت کیا کہ "جب روشنی مختلف سطحوں سے پلٹ کر فضا میں پھیلتی ہے تو ان میں سے کچھ شعاعیں دیکھنے والے کی آنکھ میں داخل ہو جاتی ہیں جس کے سبب وہ شے آنکھ کو نظر آنے لگتی ہے"۔

★ ابن الہیثم نے آنکھ کی اندرونی ساخت بھی بیان کی اور اس کے مختلف حصوں کے بارے میں بتایا۔

★ ابن الہیثم نے سب سے پہلے روشنی کو توانائی قرار دیا اور ثابت کیا کہ روشنی ہمیشہ سیدھی لکیر کی صورت میں سفر کرتی ہے جسے دوسرے الفاظ میں خطِ مستقیم کہا جاتا ہے۔

★ ابن الہیثم نے دنیا کا پہلا سوئی چھید کیمرہ جسے انگریزی میں "پن ہول کیمرہ" کہا جاتا ہے، ایجاد کیا، اس کیمرہ کو اس نے "نقبالہ" کا نام دیا۔

★ ابن الہیثم نے اس بات کے بارے میں بھی بتایا کہ چاند اور سورج افق کے قریب بڑے کیوں نظر آتے ہیں۔

۳۔ البیرونی

البیرونی کا پورا نام ابو ریحان محمد بن احمد البیرونی ہے۔ وہ 973 عیسوی میں خوارزم کے ایک قریبی گاؤں "بیرون" میں پیدا ہوئے اسی لیے انہیں "البیرونی" کہا جاتا ہے۔ انہوں نے علم دین حاصل کرنے کے علاوہ طب، ہیئت، نجوم اور ادبیات کے علوم میں دسترس حاصل کی۔ جب محمود غزنوی نے خوارزم فتح کیا تو البیرونی کو اپنے ساتھ ہندوستان لے آیا۔ یہاں اس نے ہندی زبان سیکھی اور ہندوؤں کے علمِ فلکیات کا جائزہ لیا۔ البیرونی نے پنجاب کے مختلف شہروں کے عرض بلد کی پیمائش کی۔ یہیں اس نے اپنی مشہور کتاب "کتاب الہند" تحریر کی۔ محمود غزنوی کے انتقال کے بعد البیرونی اس کے بیٹے مسعود کے دربار سے بھی منسلک رہا۔ محمود غزنوی کے بیٹوں اور پوتوں کے درمیان تخت نشینی کی جنگ چھڑنے کے بعد اس نے دربار چھوڑ دیا اور گوشہ عزلت میں بیٹھ کر تصنیف و تالیف میں مصروف

مسلمانوں میں تاریخ نگاری کا شوق عہد بنوامیہ میں پیدا ہوا۔اس سلسلے میں پہلا نام امام زہریؒ (المتوفی ۷۲۲ء) کا آتا ہے۔جنہوں نے عمر بن عبدالعزیز (۷۲۰ء) کے حکم کے مطابق کتاب المغازی کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی ان کے علاوہ ابتدائی سیرت نگاروں میں عروہ بن زبیرؒ اور ابان بن عثمان اور دوسرے چند لوگوں کے نام بھی شامل ہیں۔مشہور تابعی موسیٰ بن عقبہ المدنیؒ کی تصنیف کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔ان کے علاوہ محمد بن اسحاق کی کتاب المغازی اور ابن ھشام کی کتاب المغازی جو سیرت ابن ھشام کے نام سے مشہور ہے کو بے حد شہرت ملی۔ابن سعد کی بارہ جلدوں پر مشتمل ''طبقات'' اس لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔اس میں سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ صحابہؓ اور تابعینؒ کے احوال بھی بیان کیے گئے ہیں۔بعد کے ادوار میں سیرت پر جو کتابیں تحریر کی گئیں وہ زیادہ تر انہی کتابوں سے مستفاد ہیں۔تاریخ نگاری کا آغاز عہد بنی امیہ میں ہوا۔سب سے پہلے عبید بن شبرمہ الجرھمی نے معاویہؓ کے لیے ''کتاب الملوک واخبار الماضیین'' کے نام سے مشہور کتاب لکھی۔یہ تاریخ کی پہلی کتاب ہے۔فتوحات کے موضوع پر قلم اٹھانے والوں میں ابن عبدالحکم مصری، بلاذری، حافظ مغلطائی اور حاجی خلیفہ وغیرہ شامل ہیں۔ان کتابوں میں بعض اتنی ضخیم ہیں کہ ایک ایک کا جائزہ لینے کے لیے عمر نوحؑ درکار ہے۔ایک تصنیف ''تاریخ دمشق'' اسی جلدوں میں ہے۔

علامہ ابن خلدون نے کتاب'' **العبر و دیوان المبتدا والخبر فی ایام العرب والعجم والبربر ومن عاصرھم من ذوی السلطان الاکبر** '' کے عنوان سے لکھی۔یاقوت حموی، ابن عساکر اور ابن خلکان نے سینکڑوں کتابیں لکھیں۔ ابن جوزی نے ایک طرف ''کتاب الاذکیاء'' لکھ کر ذہین انسانوں کی تاریخ مرتب کی اور دوسری طرف ''اخبار المغفلین'' تحریر کر کے بے وقوفوں کی تاریخ مدون کر کے رکھ دی۔صلاح الدین صفدی نے معذوروں کی تاریخیں تحریر کی ہیں۔امام ذہبی نے تاریخ کی چالیس اقسام گنا کر بلاشبہ مسلمانوں کا تصور تاریخ واضح کیا ہے۔

جغرافیہ :

اسلام میں علم جغرافیہ کے فروغ میں عبادات اور معاملات دونوں نے اہم کردار ادا کیا۔فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے راستوں سے واقفیت، نماز کے قیام اور مسجد کی تعمیر کے وقت قبلے کا تعین، امور سلطنت کی انجام دہی اور تجارتی مقاصد کے لیے مختلف بلاد وامصار کے جغرافیائی محل وقوع سے آگاہی وہ محرکات تھے جنہوں نے مسلمانوں کو جغرافیہ کا علم حاصل کرنے پر آمادہ کیا۔چنانچہ عباسی دور میں جب ایرانی، ہندی اور یونانی کتابوں کے ترجمے ہونے لگے ثابت بن قرہ نے یونانی جغرافیہ دان بطلیموس کی کتاب (Geographical Treatise) کو عربی جامہ پہنایا۔افلاطون کی کتابوں کے علاوہ مسلمانوں نے ہندی اور ایرانی جغرافیائی تصورات کا علم بھی حاصل کر لیا، جس سے وہ اس قابل ہو گئے کہ اس موضوع پر تحقیق وتصنیف کا آغاز کر سکیں۔خلیفہ مامون الرشید کے

عہد خلافت میں مشہور مسلم ریاضی دان محمد بن موسیٰ خوارزمی نے جغرافیہ کے موضوع پر ''صورۃ الارض'' کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ ابن خردازبہ کو مسلم جغرافیہ کا باوا آدم مانا جاتا ہے۔انہوں نے ''المسالک والممالک'' کے عنوان سے کتاب لکھی۔تیسری صدی کے آخر میں احمد بن اسحاق اور چوتھی صدی ہجری کے ربع اول میں قدامہ بن جعفر الکاتب نے ''کتاب الخراج وصنعۃ الکتاب'' تحریر کی جس میں راستوں، ڈاک کی منزلوں اور سرحدوں کی تفصیل دی تھی۔

اسی زمانے میں ابوالحسن علی بن حسین المسعودی نے اپنا سفرنامہ تیار کیا۔ابوزید احمد بن سھل بلخیؒ ''دبستان بلخ'' میں شامل ہیں یہ کندی کے شاگرد تھے۔اصطخری کی درخواست پر ابوالقاسم محمد ابن ہرقل نے نقشوں پر نظر ثانی کی۔یمنی نژاد عالم ابوالحسن ابن احمد الھمدانی نے جغرافیہ کے موضوع پر دو کتابیں تحریر کیں۔محمد بن ابی بکر المقدسی نے اسلامی ممالک کے نشیب وفراز دیکھے اور انہیں کتاب میں قلمبند کیا۔ابوریحان محمد ابن احمد البیرونی نے اپنی شاہکار کتاب تاریخ الہند لکھی۔سپین کے جغرافیہ دان ابوعبیداللہ بن عبدالعزیز نے جغرافیائی لغت تیار کی۔ابوعبداللہ محمد بن محمد ادریسی سپین کے شہر سبتیہ میں پیدا ہوئے۔ادریسی جغرافیہ کے علاوہ دوسرے علوم میں بھی دستگاہ رکھتے تھے۔مگر جغرافیہ اور نقشہ کشی کے فن میں وہ قرون وسطیٰ کے سب سے بڑے ماہر تھے۔ادریسی شاہی خاندان کی نسل سے تعلق رکھے تھے۔ انہوں نے ''نزھۃ المشتاق فی اختراق الآفاق'' تصنیف کی اور زمین کی گولائی جیسے بنیادی حقائق کی قبولیت کا مظاہرہ کیا۔ابوالفداء، زکریا بن محمد القزوینی، ابوعبداللہ محمد الدمشقی ابن الوردی بھی جغرافیہ دانوں کی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں۔

مسلمانوں کے علم جغرافیہ میں سفرناموں کی بدولت بھی قابل قدر اضافہ ہوا ہے۔ان میں ابن جبیر، ابن بطوطہ، ناصر خسرو، المازنی، ابن مجاور، النباتی، العبداری الطیبی اور التیجانی شامل ہیں۔علم جغرافیہ میں مسلمان تاجروں کا بھی بہت بڑا کردار رہا ہے۔ان میں سلیمان التاجر، ابوزید الحسن السیرافی اور احمد ابن فضلان ابن حماد شامل ہیں۔جغرافیائی ذخیرہ علم میں جغرافیہ دانوں، تاجروں اور سیاحوں کی طرح مسلم جہاز رانوں نے بھی اپنی گوں ناگوں معلومات سے قابل ذکر اضافہ کیا ہے۔بحری کپتان بزرگ بن شہریار، ابن فاطمہ اور ایک اہم شخصیت شہاب الدین احمد ابن احمد کی ہے جنہیں اسد البحر بھی کہا جاتا ہے۔فرانس کے مشہور مورخ موسیو سیدیو لکھتے ہیں۔ ''اب ہمیں یہ بیان کرنا ہے کہ عربوں نے کاغذ، قطب نما، بارود اور توپوں کو ایجاد کیا اور ان کی ایجاد سے تمام دنیا کی ادبی، سیاسی اور فوجی حالت میں کیسا انقلاب عظیم رونما ہوا اور بعض یورپین اہل قلم جنہوں نے عربوں سے ان چیزوں کے ایجاد کا شرف زبردستی چھین لیا ہے ان کے بیان پر کوئی اعتبار نہیں کرنا چاہیے۔اصل یہ ہے کہ ان اشیاء کے موجد عرب ہیں اور عربوں ہی نے اہل یورپ کو ان کا استعمال سکھایا ہے۔''

آپ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے خاص سیکرٹری تھے، صلح حدیبیہ سمیت کئی اہم دستاویز حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے لکھی گئیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کا ایک بڑا اعزاز یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نکاح آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کے اہم اقدامات:

- ★ آپ رضی اللہ عنہ نے فوجی چھاونیوں کی تعداد میں اضافہ کیا۔
- ★ عمال کے اخلاق کی خود نگرانی کرتے اور ان کی بے اعتدالیوں پر سختی سے باز پرس کرتے تھے۔
- ★ محکمہ مال میں آپ رضی اللہ عنہ نے خاص اصطلاحات جاری کیں اور جنگلات سے مالی فائدہ اٹھانے کی بنیاد رکھی۔
- ★ عدل و انصاف کے ضمن میں فاروقی نمونہ پیشِ نظر رکھا، آپ رضی اللہ عنہ خود کئی بار اپنے ماتحت قاضی کی عدالت میں پیش ہوئے اور بسا اوقات فیصلہ آپ رضی اللہ عنہ کے خلاف بھی ہو جاتا تھا جسے آپ رضی اللہ عنہ خندہ پیشانی سے قبول کرتے۔
- ★ آپ رضی اللہ عنہ ذمیوں کے حقوق کا خاص خیال رکھتے۔
- ★ محکمہ پولیس کی بنیاد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رکھی تھی، آپ رضی اللہ عنہ نے اسے منظم کیا اور باقاعدہ پولیس کے دستے تشکیل دیے۔ پولیس کا فرض تھا کہ وہ جرائم کی روک تھام کرے، منڈیوں پر نظر رکھے اور امن و امان قائم رکھے۔

نبوی معاشرے کا تسلسل

قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اسلامی طریق حکمرانی کے اصول بتائے ہیں اور ان کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے خلافت کا نظام قائم کیا جسے امت نے خلافتِ راشدہ کا نام دیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کی نگاہ میں خلافت کا صحیح طرز یہی ہے۔ خلافتِ راشدہ سے مراد ہے راست رو خلافت۔

شورائی نظام:

خلفاء کا انتخاب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مشورے سے ہوتا تھا، ہر خلیفہ کے انتخاب کے موقع پر بڑے بڑے مہاجرین اور انصار صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم، اہلِ رائے حضرات اور سیاسی تدبیر رکھنے والے لوگوں سے مشورہ کیا جاتا تھا اور جس شخصیت پر اکثریت کا اتفاق ہوتا، اس کے ہاتھ پر بیعت کی جاتی اور خلافت کے پورے دور میں تمام معاملات باہمی مشورے سے طے کیے جاتے تھے۔

بنیادی حقوق کا تحفظ:

اسلام نے اپنی ریاست کے تمام شہریوں کو بنیادی حقوق دیے ہیں اور خلافتِ راشدہ کے دور میں شہریوں کے بنیادی حقوق کا تحفظ کیا جاتا رہا ہے، کسی شخص کی آزادی سلب نہیں کی گئی، کسی کی حق تلفی نہیں ہوئی، حتیٰ کہ وہ لوگ جو حکومت کے خلاف باغیانہ خیالات رکھتے تھے لیکن عملاً بغاوت میں شریک نہ ہوئے ان کو کوئی سزا نہیں دی گئی، بلکہ وہ لوگ جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کا محاصرہ کرلیا تھا، ان کی سرکوبی کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔

بیت المال کے امانت ہونے کا تصوّر:

خلفاء راشدین بیت المال کو مسلمانوں کی امانت سمجھتے تھے اور اس میں سے اپنی مرضی سے ایک پیسے کا تصرف بھی جائز نہیں سمجھتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقع پر فرمایا کہ میرے لیے بیت المال سے اس کے سوا کچھ حلال نہیں کہ ایک جوڑا کپڑا گرمی کے لیے اور ایک جاڑے کے لیے اور اپنے اور اپنے بال بچوں کے لیے کھانے پینے کا اسی قدر سامان کہ جتنا قریش کے ایک عام آدمی کی ضرورت ہے۔

قانون کی بالادستی:

خلفاء اپنے آپ کو قانون سے بالاتر نہیں سمجھتے تھے بلکہ قانون کی نگاہ میں اپنے آپ کو ایک عام شہری کے مساوی سمجھتے تھے، حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کئی ایسے واقعات ہیں کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنے ماتحت قاضیوں کی عدالتوں میں ایک عام فرد کی طرح پیش ہوئے۔

اظہارِ رائے کی آزادی:

خلافتِ راشدہ کی ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ اس میں اظہارِ رائے پر کبھی بھی پابندی عائد نہیں کی گئی۔ ہر شخص اپنے ایمان اور ضمیر کے مطابق اپنی رائے کا اظہار کر سکتا تھا، خلیفہ پانچوں وقت نمازوں میں لوگوں کے سامنے حاضر ہوتا اور ہر شخص ہر وقت خلیفہ کا احتساب کر سکتا تھا۔

معاشرتی استحکام:

اولی الامر:

اسلامی ریاست میں اولی الامر یعنی حکام کا ایک ادارہ کام کرتا ہے۔ یہ ادارہ حقیقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی وفات کے بعد وجود میں آیا جس کا سربراہ ابتدائی دور میں خلیفۂ وقت ہوا کرتا تھا۔ اس ادارے کو یہ ذمہ داری ملی کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے احکامات پر خود بھی عمل کرے اور اسلامی ریاست کے شہریوں سے بھی عمل کروائے۔ چونکہ اولی الامر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے احکام کو اسلامی ریاست میں نافذ کرتے ہیں اس لیے ان کی پیروی بھی لازمی قرار دی گئی ہے تاکہ اسلامی ریاست کا نظم ونسق چل سکے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو، اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے اولی الامر کی اطاعت کرو۔'' (سورۃ النساء:۵۹)

اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ اربابِ حل وعقد کے احکام کی بھی پیروی کی جائے لیکن اولی الامر اگر کسی ایسے کام کا حکم دیں جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی نافرمانی ہوتی ہو تو اولی الامر یعنی حکمرانوں کی اطاعت جائز نہیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''گناہ کے کاموں میں کسی کی اطاعت نہ کی جائے۔ اطاعت اچھے کاموں میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے لیے کسی بندے کی اطاعت نہیں کی جاتی۔'' (صحیح بخاری:7145۔ مسلم 4870)

شورائی نظام:

اسلامی ریاست میں روزمرّہ کے امور چلانے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی عملی تعبیر تلاش کرنے کے کام میں مسلمانوں کو شریک کیا جاتا ہے۔ اس کام کے لیے مسلمانوں نے شورائی نظام کا ایک ادارہ قائم کیا ہوا ہے۔ جب کسی معاملے میں مشورہ کیا جاتا ہے اور بہت سی آراء سامنے آتی ہیں تیز ماہرین اور تجربہ کار اصحاب اپنی رائے کا اظہار کرتے ہیں تو زیرِ نظر مسائل کا ایسا حل سامنے آجاتا ہے جو آسان، قابلِ عمل، انسانی ضرورتوں کے مطابق اور ملی تقاضوں کو پورا کرتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو مشورہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

ترجمہ: ''باہمی امور میں ان سے مشورہ لیتے رہا کیجئے۔ پھر جب رائے پختہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے۔'' (آل عمران:159)

مشورے کا فائدہ یہ ہوگا کہ حکمران یک طرفہ فیصلے نہیں کر پائیں گے بلکہ کسی بھی مسئلے کے سب پہلو سامنے آئیں گے اور ان کی روشنی میں فیصلہ ہوگا جس سے آمریت کے مواقع کم ہو جائیں گے۔

شہریوں کے فرائض:

ہر ریاست کے شہریوں کے لیے ایسے کام کرنا لازمی قرار دیا جاتا ہے جس سے ریاست کا تحفظ ہو اور نظامِ حکومت بھی چلتا رہے۔ اس کے ادارے اپنے فرائض امن وسکون سے ادا کریں۔ اسی طرح اسلامی ریاست میں بھی مسلمان شہریوں پر کچھ فرائض عائد کیے گئے ہیں۔ یہ فرائض ایسے نہیں جو مسلمان شہری ادا نہ کر سکیں یا ان کی ادائیگی میں انہیں غیر ضروری محنت ومشقت اور دقتوں کا سامنا ہو۔ اسلامی ریاست کے شہریوں کا یہ فرض ہے کہ وہ حکومت کے قوانین کا احترام کریں، ریاست کے وفادار اور خیر خواہ ہوں، بھلائی پھیلانے اور برائی کو روکنے میں حکومت سے تعاون کریں اور جہاں مالی یا جانی قربانی کی ضرورت پیش آئے، قربانی سے دریغ نہ کریں۔

شہریوں کے حقوق:

اسلامی ریاست میں شہریوں کو وسیع حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ ریاست ان حقوق کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی طرف سے ضمانت مہیا کرتی ہے۔ اس لیے اگر ریاست کسی شرعی عذر کے بغیر ان حقوق کی نگہداشت میں ناکام رہتی ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی جواب دہ ہے۔ اس لیے یہ ریاست کا فرض ہوگا کہ وہ کسی امتیاز اور رعایت کے بغیر ہر شہری کے حقوق کا تحفظ کرے۔ اسلام نے حقوق کے تحفظ کا وسیع نظام دیا ہے۔ حقوق کی تمام شکلوں کے لیے اسلام نے احکام دیے ہیں فرد کے اپنے ذاتی احساس سے لے کر ایسے حقوق جن کا تحفظ ریاست کرتی ہے وہ سب کے سب اسلام کی تعلیمات میں موجود ہیں اور اسلامی ریاست ان کے تحفظ کی ذمہ دار ہے۔ اسلامی ریاست کا فرض ہے کہ وہ تمام شہریوں کی جان ومال، عزت وآبرو اور شخصی آزادی کا تحفظ کرے اور کسی بھی معاملے میں کسی طبقے سے امتیازی سلوک روا نہ رکھے۔

مفتوحہ علاقوں کے جغرافیائی اور تمدّنی تقاضوں کی رعایت:

بعض افراد کا یہ خیال ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا ہے اور مسلمانوں کو جب قوت حاصل ہو گئی تو انہوں نے غیر مسلموں کو مجبور کیا کہ وہ اسلام قبول کریں۔ حالانکہ تاریخ میں ایسا کوئی واقعہ نہیں کہ اسلام قبول کرنے کے لیے کسی پر سختی کی گئی ہو کیونکہ ''لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ'' (البقرہ:۲۵۶) (دین میں کوئی زبردستی نہیں) کا حکم موجود ہے اور اسی لیے کوئی بھی مسلمان کسی کو اسلام قبول کرنے کے لیے مجبور نہیں کر سکتا۔

دوسرے یہ کہ اسلام کا طریقِ کار رہا ہے کہ وہ اپنی دعوت پیش کرتا ہے۔ جو دعوت قبول نہ کرے مگر جزیہ دے کر اسلامی ریاست کی برتری قبول کر لے وہ اسلامی ریاست کا شہری ہے اور اس کا تحفظ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے۔ اس لیے کسی غیر مسلم کو اسلامی ملک میں دھمکی دینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ وہ اسلام زبردستی قبول کرے۔ پوری تاریخ میں اس کی کوئی مثال پیش نہیں کی جا

سکتی۔ تیسرے یہ کہ ایمان دل کا معاملہ ہے اور زبردستی جسم پر ہوسکتی ہے دل پر نہیں۔ اس طرح زبردستی سے نفاق تو پیدا کیا جاسکتا ہے لیکن اسلام وایمان نہیں۔ اسلام منافقین کی تعداد بڑھانا نہیں چاہتا۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا تو اسلام کو تلوار کے زور سے پھیلانے والوں پر کس نے تلوار چلائی کہ وہ سب مسلمان ہوگئے۔ یہ اسلام کے سنہری اصولِ انسانی مساوات اور عدلِ اجتماعی کا نظام ہی تھا جس نے انسانوں کے دلوں پر اثر کیا اور وہ جوق در جوق اسلام کے دائرے میں داخل ہوگئے اور پھر اسلام کے سچے خادم بن کر بلند درجات پر فائز ہوئے۔

قرآن وحدیث کا فروغ:

اسلام ایک ایسا دین ہے جس کا آغاز نسلِ انسانی کی ابتداء کے ساتھ ہی ہوگیا تھا اور انسانوں کی تعداد میں اضافے کے ساتھ ساتھ اس کی تعلیمات میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور چونکہ نبوت کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد بھی انسان کی نئی نسلوں کو مقدس ہدایات اور احکامِ الٰہی کی اشد ضرورت رہتی ہے۔ لہٰذا ان احکام کا آئندہ نسلوں کو منتقل کرنا ایک ناگزیر عمل ہے۔ اس لیے اسلام نے نہ صرف تعلیم کو باقی رکھا بلکہ اس کی ترویج واشاعت کی حوصلہ افزائی بھی کی ہے۔ چنانچہ دینِ اسلام کی آخری کتاب کے نزول کا آغاز لفظ ''اقرا'' پڑھ سے ہی ہوتا ہے۔ اس سورت میں تعلیم کی اہمیت وافادیت کو عمدہ طریقے سے بیان کیا گیا ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝
الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

(سورۃ العلق: ۱ تا ۵)

ترجمہ: ''اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ جس نے (تمام مخلوقات کو) پیدا کیا جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا اپنے بزرگ پروردگار کے نام سے پڑھ، جس نے انسان کو قلم کے ذریعے سکھایا۔ انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا''۔

ان آیات میں دوبار پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پڑھنے کے ساتھ ساتھ سمجھنے کی اور لکھنے کی تلقین بھی ہے۔ نیز یہ حقیقت بھی ذہن نشین کرائی گئی ہے کہ علم ودانش کا حقیقی سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور انسان کو جو کچھ بھی علم حاصل ہے وہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے۔ ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو زیادہ مؤثر انداز میں بیان کیا ہے اور اپنا تعارف اس حیثیت سے کروایا ہے کہ اس نے انسان کو علم کی دولت سے بہرہ ور کیا ہے۔ ارشاد ہے:

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ۝ (الرحمٰن: ۱تا۴)

ترجمہ ''رحمٰن وہ ہے جس نے قرآن سکھایا۔ انسان کو پیدا کرکے اسے بولنا سکھایا۔''

اللہ تعالیٰ نے انسان کو علم کی دولت ہی عطا نہیں کی بلکہ اسے قوتِ گویائی بھی بخشی ہے جس کو استعمال کرکے انسان اپنا علم وہنر دوسری نسلوں تک منتقل کرسکتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ علم پھیلانے کے دو بڑے ذرائع زبان اور تعلیم یعنی تحریر اور تقریر اللہ تعالیٰ نے خود انسان کو عطا فرمائے ہیں۔ جس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس قابل بنایا کہ وہ اس کی دی ہوئی تعلیم کو آئندہ نسلوں تک پہنچا سکے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم بھی معلم کے بلند ترین منصب پر فائز ہوئے۔ وہ اپنی ساری زندگی اللہ تعالیٰ کا پیغام انسانیت کو پہنچاتے رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دنیا میں اپنی آمد کا مقصد ان الفاظ میں بیان کیا کہ ''میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں''۔ (سنن ابن ماجہ، سنن الدارمی)

تعلیم دینا ایک مقدس فریضہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا منصب ہے۔ جو انسان اس فریضہ کو اپناتا ہے وہ یقینی طور پر نبوت کے پیغام کو آئندہ نسلوں تک پہنچاتا ہے۔ انسانیت کی خدمت کرتا ہے اور علم ودانش کی شمع کو روشن کرتا ہے ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بلند مقام پاتا ہے اور اس کے درجے اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے واضح کیا ہے کہ جاہل اور عالم برابر نہیں ہوسکتے۔ ارشاد ربانی ہے:

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (سورۃ الزمر: ۹)

ترجمہ ''(اے پیغمبرؐ) آپ کہہ دیجیے کہ کیا علم والے اور بے علم لوگ کہیں ایک سے ہوسکتے ہیں؟ بے شک اہلِ عقل ودانش ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں۔''

اسلام میں تعلیم کی اہمیت وافادیت اور مقام کے پیشِ نظر مسلمانوں نے اس میدان میں بے پناہ خدمات سرانجام دی ہیں۔ پہلا باقاعدہ تعلیمی ادارہ عہدِ رسالت میں ہی قائم ہوگیا تھا۔ یہ مدرسہ چونکہ مسجدِ نبوی میں قائم ہوا تھا اس لیے اسلام کے ابتدائی دور میں درس گاہیں مسجد کا حصہ ہوا کرتی تھیں۔ مسلمان ماہرینِ تعلیم نے نہ صرف تعلیم وتدریس کا باقاعدہ کام جاری رکھا بلکہ انہوں نے مقصدِ تعلیم، اصولِ تعلیم، طریقہ تدریس اور نصابِ تعلیم پر بھی بھرپور توجہ دی اور ان تمام علوم میں مسلمان ماہرینِ تعلیم نے قرآن وسنت سے اصول اخذ کیے، ان اصولوں کی روشنی میں اسلامی نظامِ تعلیم وتربیت کی تفاصیل مرتب ہوئیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی بھی کام کسی نہ کسی مقصد کو پورا کرنے کے لیے سرانجام دیا جاتا ہے کیونکہ جب تک مقصد متعین نہ ہو اس کے حصول میں دقت ہوتی ہے۔ مقصد متعین کیے بغیر کام کرنے والے کی حالت اس مسافر کی سی ہوتی ہے جسے اپنی منزل معلوم نہ ہو لیکن وہ دن رات سرگرداں ہے۔ اس لیے تعلیم جیسے اہم کام کا بھی کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہونا چاہیے تاکہ اس نظام میں کام کرنے والوں کو اپنی منزل معلوم ہو۔

تعلیم کا مقصد متعین کرنے کی لاتعداد کوششیں ہوئیں اور ہر ایک مفکر نے اپنے گردوپیش اور اپنی ضرورت اور سمجھ کے مطابق تعلیم کا مقصد یا نصب العین پیش کیا۔ تعلیم کا مقصد متعین کرتے وقت ایسے اصحاب کو زیادہ مشکلات پیش آئیں جن کی زندگیاں مذہبی نصب العین سے خالی تھیں۔ بہرحال تعلیم کے بہت سے مقاصد بیان ہوئے ہیں۔ ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

- تعلیم کا مقصد سیرت کی تعمیر کرنا ہے۔
- انسان کو ایک مکمل زندگی بسر کرنے کے لیے تیار کرنا۔
- تندرست جسم میں تندرست روح پیدا کرنا۔
- انسان کی فطری صلاحیتوں کو ظہور میں لانا۔
- انسان کی انفرادیت کی آزادانہ نشوونما کرنا۔
- اقتدار حاصل کرنا اور حکومت قائم کرنا۔
- انسان کو اس قابل کرنا کہ وہ روزی کما سکے۔
- ماحول کو سمجھنا اور اس میں انسان کا فٹ ہونا۔
- کائنات کی حقیقتوں کو جاننا اور انہیں اپنا تابع بنانا۔

ہم نے یہاں چند ایک مقاصدِ تعلیم کی نشاندہی کی ہے۔ کیونکہ اس وقت تعلیم کے بیان کردہ تمام مقاصد کو بیان کرنا مشکل کام ہے۔

اسلام میں زندگی موت کے ساتھ ختم نہیں ہو جاتی بلکہ انسان نے جو اچھے برے اعمال اس دنیا میں کیے ہیں، مرنے کے بعد وہ ان کا جواب دہ ہوگا۔ اسی طرح انسان صرف جسم کا نام نہیں کہ اس کی مادی ضرورتوں کے علاوہ اس کی کوئی اور ضرورت نہ ہوں بلکہ انسان جسم اور روح دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ اس لیے زندگی کا نصب العین اور مقصد ایسا ہونا چاہیئے جو انسان کی مادی اور روحانی ضرورتوں کو پورا کرے۔

ان افکار کی روشنی میں اسلامی تعلیم کا مقصد اللہ تعالیٰ کی پہچان، اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے کے مابین مضبوط تعلقات کا استوار ہونا اور اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرنا ہے۔ اسی مقصد سے انسان کی سیرت کی تعمیر ہوتی ہے۔ اس کی بہترین صلاحیتوں کو جلا ملتی ہے۔ اس کی انفرادیت پروان چڑھتی ہے۔ اس لیے تعلیم یافتہ انسان وہ ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد ہو، اللہ تعالیٰ سے اس کا گہرا رشتہ قائم ہو اور اس کی زندگی اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے احکام کے مطابق گزرے اور قیامت کے دن جہنم کی آگ سے بچنے کی صورت میں اسے کامیابی نصیب ہو۔ یہی انسان کی فطرت اور یہی مقصدِ حیات ہے اور اسی میں انسان کو امن و سکون حاصل ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب استاد اور طالب علم کے دل و دماغ پر کسی اعلیٰ ہستی یعنی اللہ تعالیٰ کا تصور غالب نہ ہو، اس وقت تک وہ تعلیم کا مقصد حاصل نہیں کر سکتے۔ اسی تصور کو مضبوط اور مستحکم کرنے سے اخوت، مساوات، عالی ظرفی، وسعتِ نظر و فکر اور رواداری جیسی بلند صفات انسان میں پروان چڑھتی ہیں۔ وہ معاشرے کا مفید رکن بن جاتا ہے۔

مشق

سوال نمبر 1۔ درج ذیل سوالات کے تفصیل سے جواب دیں۔

الف۔ اسلامی تہذیب و تمدن کی بنیاد قرآن و حدیث ہے۔ بیان کریں۔

ب۔ اسلامی طرزِ زندگی بنیادی انسانی حقوق کی ترجمان ہے۔ وضاحت کریں۔

ج۔ حضرت عمرِ فاروق رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت اسلامی تاریخ کا سنہری دور تھا۔ موجودہ نظامِ حکومت سے موازنہ کریں۔

د۔ اسلام تلوار کی بجائے اخلاقِ حسنہ سے پھیلا۔ اسلامی تاریخ کے حوالے سے وضاحت کریں۔

ہ۔ معاشرتی استحکام کے فروغ کے لیے اسلام کی تعلیمات کیا ہیں؟ بیان کریں۔

سوال نمبر 2۔ درج ذیل سوالات کے مختصر جواب دیں۔

الف۔ اسلامی تہذیب سے کیا مراد ہے؟

ب۔ تہذیب کے لغوی معنی کیا ہیں؟

ج۔ بھائی چارے کے بارے میں کسی حدیث کا ترجمہ تحریر کریں۔

د۔ ”امر بالمعروف و نہی عن المنکر“ سے کیا مراد ہے؟

ہ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں کیے گئے اقدامات تحریر کریں۔

و۔ بیت المال کس مسلمان خلیفہ نے شروع کیا؟

ز۔ فوج کی باقاعدہ تربیت کس خلیفہ نے شروع کروائی؟

ح۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ”ذوالنورین“ کیوں کہا جاتا ہے؟

ط۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے کوئی سے تین نمایاں کام بتائیں۔

ی۔ ”اولی الامر“ کی کیا ذمہ داری ہوتی ہے؟